© rasailojaraid.com

رجم اور اجماع

جناب ریاض الحسن نوری صاحب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد

جہاں تک حدود کا تعلق ہے اس کے متعلق شاہ ولی اللہؒ نے بالکل درست فرمایا کہ "سابقہ شریعتوں میں قتل کی سزا میں قصاص اور زنا کی سزا میں رجم کرنا اور چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنا تھا پس یہ تینوں سزائیں آسمانی شریعتوں میں ہمیشہ سے چلی آتی تھیں اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں اس پر متفق تھیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو نہایت مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے اور کبھی ان کو ترک نہیں کرنا چاہیے"

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۵۰۸ مطبوعہ نور محمد)

ہم کہتے ہیں کہ امت محمدیہ میں بھی ان تینوں سزاؤں پر اجماع چودہ سو برس سے چلا آرہا ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خارجی رجم کے قائل نہ تھے۔ اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ خارجیوں کے متعلق یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر سمجھتے تھے حتی کہ انہوں نے اجل صحابہ کو بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا اور ان کو کافر گردان کر نہ صرف زبانی طور پر واجب القتل قرار دیا بلکہ قتل بھی کر دیا۔ لہذا اس سے کوئی صاحب انکار نہیں کر سکتے اور نہ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ زنا گناہ کبیرہ ہے۔ پس یہ بات بڑی ناقابل یقین اور عجیب لگتی ہے کہ خوارج رجم کے قائل نہ ہوں۔

یاد رہے کہ خوارج کا ایک فرقہ ایسا ہے کہ جن کے خیالات و نظریات اہل سنت سے زیادہ مختلف نہیں۔ ابوزہرہ لکھتے ہیں:

والاباضیۃ فرقۃ من الخوارج تمتاز عن سائرھم بالاعتدال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

..... فاما اعتدالهم فقد ثبت لأنهم لا يكفرون جماهير المسلمين ۔ (موسوعة الفقہ الاسلامی ج ۱ ص ۲۴)

یعنی اباضیہ خوارج کا ایک فرقہ ہے جو دوسروں سے اس بات میں مختلف ہے کہ وہ اعتدال کے اندر رہتا ہے . . . ان کا اعتدال اس سے ثابت ہے کہ وہ جمہور مسلمانوں کو کافر نہیں قرار دیتے ۔

دراصل خوارج کی صرف ایک شاخ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ رجم کی مخالف تھی مگر ان کی کسی کتاب کا حوالہ کسی نے بھی نہیں دیا ۔ صرف الزام لگانے سے بات نہیں بنتی جب تک ان کی کسی تصنیف سے ثبوت نہ دیا جائے ۔ خوارج شیعانِ علیؓ ہونے کی وجہ سے بہرحال شروع میں رجم کے منکر نہ تھے ۔

دکتور عمر فروخ لکھتے ہیں :

أما الخوارج فهم ايضًا من الشيعة ۔ یعنی خوارج بھی شیعانِ علیؓ میں سے تھے ۔ بعد میں ان کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے اور یوں ان کا نام خارجی پڑ گیا ۔

عمر فروخ کے الفاظ یہ ہیں :

فخرج هؤلاء الاتباع من صفوفه (من جيشه) فسموا الخوارج (العرب في حضارتهم وثقافتهم موئلفہ عمر فروخ ص ۱۵۶)

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ حضرت علیؓ سے علیحدہ ہونے سے قبل خوارج بھی سب ظاہر ہے کہ شیعہ ہونے کی وجہ سے رجم کے قائل تھے ۔ علیحدگی کے بعد بھی خارجیوں نے جو اعتراضات حضرت علیؓ وغیرہم پر کئے ان میں سے رجم کہیں منقول نہیں ۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کسی خارجی نے رجم کی مخالفت کی ہو تو بہت بعد کی بات ہوگی ۔ قرن اول میں رجم کے خلاف کسی کا قول نہیں ملتا ۔ یعنی نبوت کے اعلان کے سو سال بعد تک رجم کے خلاف کوئی نہ تھا ۔

ابن حزم لکھتے ہیں کہ محصن زانی کے لیے رجم پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے ۔ البتہ خوارج کا

لے مزید یہ کہ خوارج ہمیشہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بہت مداح رہے اور رجم کے سلسلے میں ان دونوں خلفاء پر کسی خارجی نے اعتراض نہیں کیا ۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں رجم کے کئی واقعات ہوئے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک گروہ ازارقہ رجم کو تسلیم نہیں کرتا۔ ان کے خاص الفاظ یہ ہیں:

.... وقالت الازارقة من الخوارج ليس عليهما الرجم ولا جلد عليهما۔ (المحلی ج ۱۱ ص ۲۳۱)

گویا خوارج کے باقی فرقے رجم کے قائل ہیں۔ یاد رہے کہ ابن حزم اس فرقے کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ان مغربی تہذیب کے پرستاروں کو نہ قرآن و حدیث کا علم ہے اور نہ اسلامی تاریخ کا۔ ورنہ یہ لوگ ہرگز یہ نہ کہتے کہ خوارج کا ایک گروہ ہمارا ہم نوا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص اپنے کو شریف اور اعلیٰ اخلاق کا ثابت کرنے کے لیے کسی نامی غنڈہ اور مجرم کا نام لے اور کہے کہ فلاں شخص میرا بہترین دوست ہے۔

خوارج کے دوسرے گروہ کے متعلق ابن حزم اپنی دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں:

"ابو اسماعیل البطیحی اور اس کے اصحاب جو خوارج میں سے ہیں کہتے ہیں کہ کوئی نماز فرض نہیں سوائے ایک رکعت صبح کو اور دوسری شام کو اور یہ لوگ حج سال کے ہر مہینہ میں جائز سمجھتے تھے اور مچھلی کو بغیر ذبح کئے کھانا حرام سمجھتے تھے۔ اور مجوسی سے جزیہ لینا جائز نہ سمجھتے تھے اور جو لوگ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو خطبہ دیتے ان کو کافر سمجھتے تھے۔ مزید کہتے تھے کہ دوزخی آگ میں رہنے کے باوجود بڑے عیش و آرام سے ہوں گے اور جنت والے جنت میں آرام سے ہوں گے۔"

(کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج ۴ ص ۱۸۹)

اس کے بعد ابن حزم خاص ازارقہ کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

ازارقہ جو نافع بن الازرق کے اصحاب میں سے ہیں زانی محصن کے لیے رجم کو باطل سمجھتے ہیں اور چور کا ہاتھ کاندھے پر سے کاٹتے تھے اور حائضہ کے لیے حیض کی حالت میں بھی نماز اور روزہ ادا کرنا فرض سمجھتے تھے۔ البتہ ان میں سے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ حیض کی حالت میں قضا شدہ نمازوں کو بعد میں پاکی کی حالت میں ادا کیا جائے[1] جیسے روزے بعد میں ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ

---

[1] حالانکہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ حیض کے دوران فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگ ان بچوں اور عورتوں کا قتل بھی جائز سمجھتے تھے جو ان کے لشکر سے باہر ہوں . . . اور جو ان کو اپنے لشکر سے باہر ملتا اس کو قتل کرنا جائز سمجھتے تھے ۔ جو ان کو کہتا کہ میں مسلمان ہوں اس کو قتل کر ڈالتے مگر جو اپنے کو یہودی ۔ نصاری یا مجوسی کہتا اس کے قتل کو حرام سمجھتے تھے ۔ اسی بات کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی کہ یہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے ۔ جبکہ یہ فرمایا کہ یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کر دیں گے اور بتوں کو پوجنے والوں کو چھوڑ دیں گے ۔ آپ کا اعلان آپکی نبوت کی نشانیوں میں سے ہے . . . . خوارج کا ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ اگر ریگستان میں کوئی کنواں ہو اور اس میں ایک قطرہ شراب کا گر جائے تو جو شخص بھی وہاں سے گذرے اور لاعلمی میں بھی اس کنویں سے پانی پی لے تو وہ کافر ہو گا اگر وہ مومن ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بچنے کی توفیق دیتا . . . .

. . . . . خوارج کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی ایسا گناہ کرے جس کی سزا میں حد واجب ہو جیسے زنا ۔ سرقہ ۔ قذف تو اس کا فاعل نہ کافر ہوگا ۔ نہ مومن اور نہ منافق ۔ لیکن اگر کوئی ایسا گناہ کرے جس میں حد واجب نہ ہو تو اس کا فاعل کافر ہو جائے گا ۔ (محولہ بالا) اب ذرا یہ متجددین ہمیں بتائیں کہ رجم کے انکار کے علاوہ وہ مذکورہ بالا باتوں میں سے کس کس بات میں خارجیوں کے ہم نوا ہیں ؟ مزید امام نوویؒ نے شرح مسلم کتاب الحدود میں لکھا ہے کہ خوارج کے نزدیک کثیر سے کثیر اور قلیل چیز کی چوری میں کاندھے سے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا ۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن کریم میں قلیل اور کثیر کی کوئی تخصیص نہیں ہے تو کیا اس وجہ سے یہ متجددین ایک ٹیڈی پیسے کی چیز کی چوری میں یا لویں کپنے کی مثل کی چوری میں ہاتھ کاندھے سے کاٹنے میں یقین رکھتے ہیں ۔ یہ متجددین ذرا خارجیوں کی تمام آراء کو دیکھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ وہ ان کو امام ماننے کو تیار ہیں یا نہیں یا خود کو ان کے گروہ میں شامل کرنے پر فخر کرتے ہیں ؟

خارجیوں کے متعلق ملا علی قاریؒ مشکوٰۃ کی شرح میں لکھتے ہیں :

والحاصل ان انکاره انکار دلیل قطعی بالاتفاق فان الخوارج یوجبون الجلد بالمتواتر لفظاً او معنی کسائر المسلمین الا ان انحرافهم عن الاختلاط بالصحابة والتابعین وترک التردد الی علماء المسلمین ورواتهم أوقعهم فی جهالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كثيرة لخفاء السمع عنهم والشهرة (مرقاة ج ۷ ص ۱۲۵)
یعنی اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ رجم کا انکار ان دلائل قطعیہ کا انکار ہے جن پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ خوارج بھی دیگر تمام مسلمانوں کی طرح لفظی یا معنوی دونوں قسم کی احادیث متواترہ پر عمل واجب سمجھتے ہیں۔ مگر اس معاملہ میں ان کا انحراف اس وجہ سے تھا کہ ان کا میل جول صحابہ اور تابعین سے نہ تھا اور مسلمان علماء اور ان کے رواۃ کی نسبت وہ شکوک میں مبتلا تھے (کیونکہ خوارج تو تقریباً تمام ہی صحابہ و تابعین کو کافر سمجھتے تھے جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں) پس وہ لوگ بہت سی جاہلانہ باتوں میں گرفتار ہو گئے (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) میل جول نہ ہونے اور عام مسلمانوں کے دشمن ہونے کی وجہ سے ان کو مشہور احادیث سننے کا موقع بھی کم ملتا تھا۔

موفق الدین ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں کہ خوارج[1] کے سفیر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس آئے اور جن جن باتوں کا ان پر عیب لگایا ان میں سے یہ اعتراض بھی تھے کہ قرآن میں تو صرف کوڑوں کا ذکر ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ تم لوگ حائضہ عورت کو روزوں کی قضا کا حکم دیتے ہو اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیتے حالانکہ نماز روزوں سے زیادہ اہم ہے۔ یہ سن کر آپ نے ان سے سوال کیا کہ کیا تم قرآن کے علاوہ کسی چیز پر عمل نہیں کرتے انہوں نے کہا کہ ہاں! یہ سن کر عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ اچھا پھر مجھے بتاؤ کہ نمازیں کتنی ہیں اور ان کی رکعات اور ارکان کیا کیا ہیں اور قرآن میں یہ کہاں درج ہیں۔ مزید مجھے بتاؤ کہ زکوٰۃ کتنی رقم پر واجب ہوتی ہے اور اس کی مقدار کیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے مہلت مانگی۔ اس کے بعد وہ اگلے روز حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ قرآن میں تو ہمیں ان باتوں سے متعلق کچھ نہیں ملا۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے پوچھا کہ پھر تم ان پر عمل کیسے کرتے ہو۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے بعد مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔ یہ سن کر عمر بن عبد العزیزؒ نے جواب دیا کہ رجم کا معاملہ اور روزے کی قضا کا معاملہ بھی یونہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اس کے بعد ان کے خلفاء اور بعد کے مسلمانوں نے

---

[1] گویا خوارج نے بھی حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کے زمانہ میں یعنی سنہ ۱۰۰ھ میں رجم کا انکار کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رجم کیا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کی قضاء کا حکم دیا اور اس پر آپ کی ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی ازواج نے عمل کیا۔ (المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۲۲)

مندرجہ بالا حوالہ سے ثابت ہوگیا کہ آخر کار خوارج بھی لاجواب ہو کر چپ ہو گئے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صرف عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کا دور ایسا تھا کہ خوارج نے شورش نہیں کی۔ ہم بظاہر یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کی بات تسلیم کرلی۔ ہم تو خوارج کی نسبت رجم کے انکار کو جب ہی صحیح تسلیم کریں گے جب یہ بات خاص ان کی کتاب میں کوئی ہم کو دکھا دے انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ منسوب قول جب تک خاص اس فرقہ کی کتب میں موجود نہ ہو اس کو تسلیم نہ کیا جاوے۔

عبادہ بن صامتؓ کی روایت

عجیب بات یہ ہے کہ ایک متجدد صاحب مذکورہ بالا واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد خواہ مخواہ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کو بیچ میں لے آئے۔ حالانکہ یہ روایت تین اہم کتابوں مسند امام الاعظم بخاری اور موطا امام مالک میں نہیں ہے اور اس حدیث کے بغیر بھی رجم ثابت ہے مزید یہ کہ ابن حجر وغیرہم نے ثابت کیا ہے کہ جن لوگوں نے اس حدیث کو منسوخ کہا ہے انہوں نے اس کے صرف ایک حصہ کو منسوخ کہا ہے رجم والے حصہ کو کسی بھی محدث، مفسر یا فقیہ نے منسوخ نہیں کہا۔ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ مثلاً شاہ ولی اللہؒ نے سورہ انفال کے ذکر میں لکھا ہے کہ قولہ تعالیٰ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ الخ اپنی بعد والی آیت سے منسوخ ہے تو کوئی متجدد صاحب یہ کہنا شروع کردیں کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک تو پوری سورہ انفال منسوخ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ عبادہ بن صامت والی حدیث کے متعلق شاہ ولی اللہؒ نے جن کو یہ وزیر صاحب بھی بہت مانتے ہیں بہت اچھی تصریح فرمائی ہے۔ موطا امام مالک کے متن میں تو یہ روایت موجود نہیں لیکن رجم کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے موطا کی شرح میں شاہ ولی اللہ ایسے لوگوں کی رائے درج کرتے ہیں:

فقالوا: الجلد منسوخ فیمن وجب علیہ الرجم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجم ماعزا والغامدیۃ والیہودیین ولم یجلد واحدا منھم وقال لانیس الاسلمی فان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعترفت فارجمها ولم يأمر بالجلد وهذا آخر الامرين لان اباهريرة قد رواه وهو متاخر الاسلام فتكون ناسخًا لما سبق من الجمع بين الجلد والرجم ثم رجم الشيخان ابوبكر وعمر رضی اللہ عنهما فی خلافتهما ولم يجمعا بين الجلد والرجم۔

یعنی یہ لوگ جس پر رجم کو لاگو کرتے ہیں تو اس پر کوڑوں کی سزا کو ساقط ملنے کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ماعز اور غامدیہ اور یہودیوں کو صرف رجم کرایا۔ مزید انیس اسلمی سے کہا کہ اگر وہ عورت اقرار کرے تو رجم کر دینا۔ ان میں سے کسی کو آپ نے رجم اور کوڑوں کی سزا نہیں دی پھر یہ احکام آخری احکام ہیں کیونکہ انکو ابوہریرہ نے روایت کیا ہے اور وہ آخر دور میں اسلام لائے تھے اس لیے یہ واقعات اپنے سے ماقبل کے حکم کے لیے ناسخ ہوں گے۔ مزید یہ کہ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے رجم کیا مگر کوڑوں اور رجم کی سزا کو اکٹھا نہیں کیا۔ (المسوی مؤلفہ شاہ ولی اللہ ج ۲ ص ۳۰۳، ۳۰۴)

مذکورہ بالا قول سے یہ اہم بات حاصل ہوئی کہ رجم کے تمام واقعات آخری دور کے ہیں جبکہ ابوہریرہ مسلمان ہو چکے تھے۔ شاہ ولی اللہ کی یہی تحقیق ہے۔

پھر شاہ ولی اللہ مذکورہ بالا قول کا جواب یوں دیتے ہیں:

(اقول) فی حديث عبادة ما يدل على انه من آخر احكام النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان لفظه خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللہ لهن سبيلا البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام والثيب بالثيب جلد مائة والرجم، وفيه اشارة الى قوله تعالى (او يجعل اللہ لهن سبيلا) فهو متأخر عن هذه الآية وهذه الآية في سورة النساء وهی من آخر ما نزل فلا تدل رواية ابی هريرة اياه على النسخ، بل الظاهر عندی انه يجوز للامام ان يجمع بين

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الجلد والرجم ويستحب له ان يقتصر على الرجم لاقتصار النبي صلى الله عليه وسلم على الرجم كما يجوز للمسافر ان يتم الصلاة في السفر ويستحب له ان يقصر عند الشافعي، ويجوز للحاج ان يصلي يوم عرفة كلا من الظهر والعصر والمغرب والعشاء في وقته ويستحب له الجمع ويجوز للمسافر الضعيف في اليوم الحار ان يصوم ويستحب له الافطار، والحكمة في ذلك ان الرجم عقوبة يأتي على النفس فأصل الزجر المطلوب حاصل به والجلد زيادة عقوبة رخص في تركها فهذا هو وجه الاقتصار على الرجم عندي والعلم عند الله تعالى۔ (المسوی ج ۲ ص ۳۰۴)

ترجمہ: شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں حضرت عبادہ کی حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے آخری احکامات میں سے ہے کیونکہ الفاظ مجھ سے لو مجھ سے لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سبیل نکال دی ہے الخ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول او یجعل اللہ لھن سبیلا کی طرف اشارہ ہے اور یہ حدیث اس آیۃ سے متاخر ہے۔ اور یہ آیت سورہ نساء کی آیۃ ہے جو نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے پس ابوہریرہؓ کی روایت عبادہ بن الصامت کی روایت کو منسوخ نہیں کرسکتی۔ بلکہ میرے نزدیک (یعنی شاہ ولی اللہ کے نزدیک) امام کے لیے جائز ہے کہ وہ کوڑوں اور رجم کی سزا کو اکٹھا کر دے لیکن اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ صرف رجم پر اکتفا کرے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم پر اکتفا کیا[۱] اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے مسافر کے لیے جائز ہے کہ وہ سفر میں مکمل نماز پڑھے مگر مستحب یہ ہے کہ قصر کرے۔ جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔

---

[۱] ایسے موقع کے لیے ہی کہتے ہیں کہ حدیث میں تو یوں آیا ہے۔ لیکن سنت یوں ہے۔ اس مسئلہ پر مصطفےٰ زرقاء کا قول ہم نقل کر چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید جیساکہ حاجی کے لیے جائز ہے کہ وہ یوم عرفہ کے روز ظہر، عصر، مغرب، عشار اپنے اپنے اوقات کے مطابق پڑھے لیکن جمع کرنا اس کے لیے مستحب ہے۔ پھر ایسے ہی کمزور مسافر کے لیے سخت گرمی کے دن بھی روزہ رکھنا جائز ہے لیکن اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ سفر میں روزہ نہ رکھے۔ اور حکمت اس میں یہ ہے کہ رجم نفس کے لیے سزا ہے اور اس سے مطلوب حاصل ہو جاتا ہے اور جلد اس سزا پر زیادہ چیز ہے پس اس زیادہ کو چھوڑ دینے کی رخصت ہے اور میرے نزدیک رجم پر اکتفاء کرنے کی یہی وجہ ہے۔

شاہ صاحب کے مذکورہ بالا بیان سے کئی اہم باتیں اخذ ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ سورہ نسار مدینہ کے آخیر دور میں نازل ہوئی (سکھ ھ کے اواخر میں) جس میں او یجعل اللہ لہن سبیلا کے الفاظ بھی نازل ہوئے۔ اور عبادہ بن الصامت کی روایت اس سے بعد کی ہے دوئم یہ کہ رجم کے تمام واقعات اور بھی بالکل آخیر دور کے ہی ہیں۔

ایک اہم نکتہ

حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کو ہماری نظر میں ایک دوسرے طریقہ سے دیکھنا چاہیے۔ شروع شروع میں بعض دفعہ لوگوں کو کسی بات کی عظمت جتانے اور ڈرانے کے لیے سخت احکام سنا دیے جاتے ہیں۔ مثلاً شروع میں جب شراب حرام ہوئی تو ان کے برتنوں کو بھی توڑنے کا حکم دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ استعمال نہ کیے جائیں اسی طرح ایک دفعہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے نماز کے وقت فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی جگہ کسی کو نماز پڑھانے کو کھڑا کر دوں اور جاکر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوئے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرانے کے لیے وقتی طور پر کہی تھی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تارک جماعت کو زندہ جلا دیا جائے۔

اب یہ بات ثابت ہے کہ پہلے پہل حکم یہی تھا کہ شراب کے برتنوں کو ضائع کر دیا جائے ان کی مشکوں کو پھاڑ دیا جائے۔ مگر بعد میں ان کو دھو کر استعمال کرنے کی اجازت ہو گئی اسی طرح شروع شروع میں ڈرانے کے لیے اور عرب کے لوگ جن میں زنا عام تھا حضورؐ نے یہ فرما دیا کہ محض زانی کو ہم کوڑوں اور رجم دونوں کی سزا دیں گے تاکہ زنا کی حرمت کی بڑائی اور زنا کی شناعت دلوں میں جاگزین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جائے اب اگر کوئی یہ کہے کہ کیونکہ یہ حکم منسوخ ہو گیا کہ شراب کے برتن توڑ دو اور ان کو دھو کر بھی استعمال مت کرو تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ شراب کی حرمت بھی منسوخ ہو گئی تو یہ بات بالکل احمقانہ ہو گی۔ اسی طرح اگر عبادہ بن صامت کی روایت کا حکم جس میں ہے کہ زانی محصن کو کوڑوں اور رجم دونوں کی سزا دی جائے گی جو محض ڈرانے کے لیے تھا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمل ثابت نہیں (یا یہ کہ دیا جائے کہ یہ بات وقتی طور پر کہی گئی تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور صرف رجم کا حکم باقی رہا تو) تو اس روایت سے رجم کی منسوخی پر دلیل لانا ایسا ہی غلط ہے جیسا شراب کے برتنوں کو توڑنے کے حکم کی منسوخی سے کوئی یہ دلیل لائے کہ حرمت شراب کا حکم منسوخ ہو گیا۔

ہماری بات کا پہلا ثبوت تو یہی ہے کہ یہ قول آپ کی سنت نہیں بنا محض قول سابق ہی رہا۔

دوسرا ثبوت اس کا یہ ہے کہ اس کو کسی اور صحابی نے روایت نہیں کیا۔ کیونکہ یہ قول وقتی طور پر ڈرانے کے لیے تھا عمل اس پر نہیں ہوا اس لیے دوسرے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ اور اسی وجہ سے امام اعظم۔ امام مالک اور امام بخاری نے بھی اپنے اپنے مجموعہ احادیث میں اس کو درج نہیں کیا۔ وھو الصواب عندی واللہ اعلم۔

تو یہ ہے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کا اصل پس منظر جس کے متعلق ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ اور خبر واحد کو تسلیم نہ کرنے والے بھی اس کو بڑھ بڑھ کر دلیل قطعی بنا رہے ہیں۔ حالانکہ ایمانداری کا تقاضا یہ تھا کہ جو لوگ متواتر معنوی کو رد کر دیتے ہیں وہ خبر واحد کو کسی بھی بات کی بنیاد نہ بنائیں جبکہ خبر واحد ان کے نزدیک حجت کے قابل ہی نہیں ہے۔ عام متداول کتب احادیث میں یہ روایت صرف ان ہی ایک صحابی سے مروی ہے۔

تیسری بات جو ہر ذی فہم اور ذی علم پر واضح ہے وہ یہ کہ اسلامی احکامات تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ شروع شروع میں تو محض کلمہ پڑھ لینا اور اس پر ایمان لانا ہی کافی سمجھا جاتا تھا۔ تحت احکامات بعد میں نازل ہوئے مثلاً سود کی حرمت تو بالکل آخیر میں نازل ہوئی۔ اسی طرح متعہ بھی شروع شروع میں جائز رہا پھر غزوہ خیبر کے موقع پر اس سے منع کیا گیا اور فتح مکہ کے بعد اس کی حرمت قطعی طور پر نافذ کر دی گئی۔ متعہ کی جو مماثلت زنا سے ہے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس یہ کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں کہ رجم کے یہ تمام واقعات مدینہ کے اولین دور میں پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئے ہوں ۔ یہ تمام بالکل اظہر من الشمس ہے کہ رجم جیسی سخت سزا پر عمل فتح خیبر اور فتح مکہ کے بعد ہو سکتا تھا۔ شاہ صاحب کے مذکورہ بالا بیانات سے بھی یہی ثابت ہے کہ شاہ صاحب اسی کے قائل تھے کہ رجم کے تمام واقعات مدنی زندگی کے بالکل آخری دور کے واقعات ہیں جبکہ خیبر اور فدک وغیرہ سب فتح ہو چکے تھے ۔ یہودی مفتوح ہو چکے تھے ۔ اور متعہ کی حرمت بھی بیان ہو چکی تھی ۔ مزید یہ کہ حضرت ابوہریرہ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہما و دیگر آخیر دور کے صحابہ بھی ایمان لا چکے تھے جن کی کثیر روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ وہ رجم کے موقع پر موجود تھے ۔ یاد رہے کہ عبداللہ بن عباس ۹ھ ہجری مدینہ تشریف لائے تھے ۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوا ور جو مزید روایات ہم آئندہ پیش کریں گے اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ رجم کے تمام واقعات سورہ نور کے نزول کے بہت بعد وقوع پذیر ہوئے ۔ آخیر کے دور کے بہت سے صحابہ سے رجم کے واقعات مروی ہیں ۔ مثلاً بالکل آخیر دور کے صحابی جابر بن سمرۃ ہیں ۔ یہ مشہور صحابی ہیں مگر اتنے آخیر دور کے صحابی ہیں کہ لوگ ان سے یہ بھی پوچھا کرتے تھے کہ آپ کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بیٹھنے کے مواقع بھی ملے یا نہیں ۔ مثلاً مشہور محدث طبرانی کی المعجم الکبیر جلد دوئم میں حدیث نمبر ۱۹۳۳، ۲۰۱۷ ملاحظہ فرمائیں ان میں ہم مختلف طرق سے جو روایات بیان ہوئی ہے اس میں ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ أکنت : تجالس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب انہوں نے دیا : نعم یعنی جی ہاں ۔ اسی طرح طبقات ابن سعد کی ایک بالکل مختلف روایت جس کا موضوع ہی بالکل دوسرا ہے یہی سوال جواب نقل کیا ہے (دیکھئے ص ۲، ۷ ج ا) مزید طبرانی کی اسی جلد میں مندرجہ ذیل روایات ہیں یہ بات آئی ہے کہ جابر بن سمرہ کو صرف سو مرتبہ حضورؐ کی ہم نشینی کا موقع ملا ۔

روایت نمبر ۱۷۸۹، ۱۹۴۸، ۱۹۵۰، ۱۹۹۰ ۔

ان جابر بن سمرۃ سے کثیر طرق سے رجم کی روایات مروی ہیں اور جن میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ رجم کے عینی شاہد ہیں ۔ اس کے بعد حدیث اور تاریخ سے جاہل لوگ ہی یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے رجم سورہ نور کی دوسری آیت کے بعد کیا یا پہلے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معتزلہ اور رجم

خارجیوں کے علاوہ یہ متجددین اپنی ہم نوائی میں معتزلہ کا نام بھی لیتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ ان کی کتب عام ہیں اس لیے ہم نے جب انکی طرف مراجعت کی تو واضح ہوا کہ ان پر بھی اپنے مطلب کی خاطر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا ہے کہ معتزلہ رجم کے خلاف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رجم کے معاملہ میں ان میں اور عام علمائے نظریات میں سرمو فرق نہیں ہے۔

مشہور معتزلی مفسر زمخشری سورہ نور کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(فاجلدوا کل واحد منهما مأة جلدة) یعنی اذا کانا حرین بالغین بکرین غیر محصنین فأما اذا کانا محصنین او کان احدهما محصنا کان علیه الرجم بلا خلاف (کشاف ج ۲ ص ۳۷۲)

یعنی (ان میں سے ہر ایک کے سو سو کوڑے لگاؤ) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ آزاد بالغ غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ یعنی کنوارے ہوں۔ اگر وہ شادی شدہ ہوں یا ان میں سے ایک شادی شدہ ہو تو شادی شدہ کے لیے بلا اختلاف سب کے نزدیک رجم کی سزا ہوگی۔

لیجیئے یہ آپ کے معتزلی مفسر نہ صرف یہ کہ وہی بات کہہ رہے ہیں جو عام علماء کہتے ہیں بلکہ یہ بھی اعلان کر رہے ہیں کہ رجم کی سزا کے متعلق کوئی اختلاف ہی نہیں یعنی اس پر اجماع ہے۔ یعنی معتزلہ کے بھی تمام فرقے اس پر متفق ہیں۔

لو اپنے دام میں خود صیاد آگیا!

تفسیر کے بعد ہم اصول فقہ پر آتے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے معتزلیوں کی بہت مشہور کتاب: کتاب المعتمد فی اصول الفقه تالیف ابی الحسین محمد بن علی بن الطیب البصری المعتزلی ہے۔ یہ دو ضخیم جلدوں میں دمشق سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اس پروپیگنڈے کا جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے کہ معتزلہ منکر حدیث تھے یا رجم کے مخالف تھے۔ اس کتاب کی پہلی جلد میں یہ عنوان ہے: فی تخصیص الکتاب والسنة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکتاب والسنۃ ۔ اس باب میں بحث کے بعد وہ یوں رقمطراز ہیں :

..... ویجوز تخصیص قول اللہ سبحانہ بفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لانہ کقولہ فی الدلالۃ ولھذا خصصنا قول اللہ سبحانہ (القرآن ۲/۲۴) [الزانیۃ والزانی .....] برجمہ صلی اللہ علیہ ماعزًا (دیکھئے صفحہ ۲۷۵ ج ۱)

یعنی قرآن میں اللہ تعالیٰ کے قول کی تخصیص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے جائز ہے کیونکہ دلالت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا اپنا قول ہے ۔ اسی وجہ سے ہم نے (یعنی معتزلہ نے) اللہ تعالیٰ کے قول۔ الزانیۃ والزانی الخ کی تخصیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل یعنی ماعز کو رجم کرنے کی وجہ سے کر دی ہے ۔

اب غور کیجئے کہ مشہور معتزلی ماہر اصول فقہ نے تخصیص کے لیے صرف حضرت ماعز کی ایک مثال ہی کے بیان کو کافی سمجھا ۔ یعنی اگر اور واقعات یا دیگر احادیث نہ بھی ہوتیں تب بھی ایک مسلمان کے لیے چاہیے وہ معتزلی کیوں نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ثابت قول یا فعل قرآن کی آیت کی تخصیص کے لیے کافی ہے ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ یہاں نہ صرف اہل تشیع واہل سنت بلکہ معتزلہ تک کے نزدیک بھی رجم کا معاملہ قرآن کی آیت کے نسخ کا نہیں بلکہ تخصیص کا ہے ۔ اس لیے بھی متجددین کی یہ ساری بحث کہ حدیث سے قرآن کا نسخ ہو سکتا ہے ۔ یا نہیں رجم کے سلسلے میں بے کار ہے ۔

مزید محمد بن علی المعتزلی نے صفحہ ۴۱۸ پر دوسرا باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے :

جواز نسخ التلاوۃ دون الحکم، ونسخ الحکم دون التلاوۃ ۔

یعنی یہ باتیں دونوں جائز ہیں کہ کسی آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہو مگر اس آیت میں جو حکم ہو وہ باقی رکھا جائے [1] اور یہ بھی جائز ہے کہ آیت میں بیان کردہ حکم تو

---

[1] اسکو بطور ایک عام بات کے کہا جا رہا ہے ۔ ورنہ رجم کا حکم یوں باقی ہے کہ قرآن کی ۲۵ سے زیادہ آیات سے ثابت ہے ۔ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے فیصلے بھی دلالت کرتے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منسوخ کر دیا گیا ہو مگر آیت کی تلاوت جاری رکھی گئی ہو۔ گویا کہ معتزلہ کا اس ناسخ و منسوخ کے سلسلے میں وہی نظریہ ہے جو ہمارے عام علماء کا نظریہ ہے۔ ہم اس سلسلے میں مزید گفتگو بعد میں کریں گے لیکن یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ معتزلہ اور تمام شیعہ و اہل سنت کا اس معاملہ میں اجماع ثابت ہے۔ خوارج نے بھی حضرت علیؓ کی زندگی تک رجم کا انکار نہیں کیا۔ پھر بنی امیہ کی مخالفت میں ان کو یہ نکتہ سوجھا ہوگا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اُن کو قائل کر دیا۔

پھر اس مذکورہ بالا عنوان کے تحت معتزلی فقیہ خاص رجم والی آیت کا یوں ذکر کرتے ہیں:

..... ونسخت التلاوة دون الحكم فيما رُوى انه كان مما انزل الله عزوجل: ((الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله)) وتحتمل أن يكون ذلك مما أُنزل وحيا ولم يكن ثابتًا فى المصحف وقد روى عن عمر أنه قال: لولا أن يقال: زاد عمر فى المصحف، لاثبت فى حاشيته: ((الشيخ والشيخة .....)) (دیکھئے صفحہ ۱۸۰ ج ۱ محولہ بالا)

یعنی ..... رجم کا حکم تو منسوخ نہیں ہوا مگر اس آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔ اس کی مثال جیسا کہ روایت میں ہے یوں ہے اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کیا کہ میاں بیوی اگر زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کیا جائے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حکم وحی کے ذریعے نازل کیا ہو (بطور تورات کی آیت کے عربی ترجمہ اور تمام ادیان کے متفقہ قانون کی حیثیت سے) مگر یہ آیت اس لیے نہ اتری ہو کہ وہ قرآن میں لکھی جائے حضرت عمرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اس بات کا احتمال نہ ہوتا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ عمرؓ نے قرآن میں زیادتی کر دی تو میں اس آیت کو قرآن کے حاشیہ پر لکھ دیتا الشیخ والشیخۃ الخ (یاد رہے کہ الشیخ والشیخہ کے لغوی معنی میاں بیوی کے ہیں حوالہ آگے آرہا ہے)

یعنی حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ میں اسے حاشیہ میں لکھ دیتا اس سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ مذکورہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالا آیت اس لیے اتری ہو کہ تورات کے حکم کی اُمت محمدیہ کے لیے بھی تصدیق ہو جائے۔ اور یہ آیت مستقل حیثیت نہ رکھتی ہو کیونکہ قرآن کی آیت فیہا حکم اللہ اور ما انزل اللہ اور دیگر ۲۵ آیات سے بھی یہ مقصود بخوبی حاصل ہو جاتا ہے۔

مزید محمد بن علی البصری المعتزلی لکھتے ہیں:

دلیل: اجمعت الامۃ علی قیاس الزناۃ علی ماعز فی الرجم! ولقائل ان یقول عقلت الامۃ ان حکم الزناۃ حکم ماعز من قصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرورۃ اوأنہا عقلت من قولہ السلام: ((حکمی فی الواحد حکمی فی الجماعۃ)) علی ان کون الزنا بشرط الاحصان علۃ فی الرجم معلوم غیر مظنون

(کتاب المعتمد ج ۲ ص ۷۴۱، ۷۴۲)

ترجمہ! دلیل: امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ زانیوں کو ایسے ہی سنگسار کیا جائے گا جیسے ماعز کو کیا گیا تھا۔ کہنے والا یوں کہتا ہے کہ امت محمدیہ نے عقل سے یہی سمجھا کہ زانیوں کا حکم وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز پر نافذ کیا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ امت محمدیہ نے ماعز کے فیصلے کو امت کے تمام لوگوں کے لیے اس لیے نافذ سمجھا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ میرا جو حکم ایک فرد کے لیے ہوگا وہ مسلمانوں کی تمام جماعت کے لیے ہوگا۔ مزید یہ کہ رجم کی سزا احصان کیساتھ مشروط ہے۔

ناظرین نے غور فرمایا کہ معتزلہ پر یہ الزام بالکل غلط ہے کہ وہ رجم کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ ان کا تو یہ دعوےٰ تھا کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور ثبوت کے لیے وہ صرف ماعز کی ایک مثال کا بیان کرنا کافی سمجھتے تھے اور مزید واقعات کے بیان سے بات کو اس لیے طول نہ دیتے تھے کیونکہ یہ تمام امت محمدیہ کا اجماعی فیصلہ تھا اور رجم میں کیونکہ مسلمانوں میں سرے سے کوئی اختلاف نہ تھا اس لیے زیادہ مثالوں کو بیان کرنے کی کوئی حاجت ہی نہ تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ خوارج بھی بالآخر رجم کے قائل ہو گئے تھے۔ عمر بن عبد العزیز سے جو انہوں نے گفتگو کی تھی تو وہ محض ان کو پریشان کرنے اور ان پر اعتراض کرنے کے لیے کی تھی جیسا کہ لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی مخالفین کو پریشان کرنے کے لیے کج بحثی کیا کرتے ہیں مگر اس میں بھی وہ لاجواب ہو گئے۔ اب تو خوارزج دنیا سے تقریباً نیست و نابود ہو چکے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی کتاب ہماری نظر سے نہ کہیں بازار میں گزری نہ کسی لائبریری میں اور نہ ہی کسی کتب خانہ کی فہرست میں۔ اس لیے جب تک ہم ان کی کسی کتاب میں یہ نہ دیکھ لیں کہ وہ واقعی رجم کے منکر تھے ہم کو خوامخواہ ان کے متعلق بدظنی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ مخالفین تو بات کا بتنگڑ بنا ہی دیا کرتے ہیں۔ ہمارا ان کے متعلق بلکہ یوں کہیئے کہ ان کے اس خاص گروہ یعنی ازارقہ کے متعلق بھی یہی حسن ظن ہے کہ وہ بھی اجماع امت میں شامل تھے یا ہو گئے تھے۔ حضرت علیؓ کے دور تک ان سے انکار رجم ثابت نہیں ہے۔ رجم کو قرآن سے ثابت کرنے کے لیے تو ان تقریباً ۳۰ آیت کی نشان دہی اور عربی نہ جاننے والوں کے لیے ترجمہ اور شان نزول وغیرہ بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے مگر جہاں تک رجم پر اجماع امت کا تعلق ہے تو یہ اظہر من الشمس ہے یہاں تک کہ آپ نے دیکھ لیا کہ معتزلہ جن کے آزاد خیال ہونے کی وجہ سے یہ پروپگنڈا کیا جاتا ہے کہ وہ رجم کے منکر ہیں۔ وہی معتزلہ رجم پر اجماع کا دعوےٰ اور اس کو ثابت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مگر ان متجددین میں سے ایک نے تو علم و عقل کی ٹانگ اس طرح توڑی کہ جہالت کا ریکارڈ توڑ دیا۔ مثلاً یہ صاحب مسلم کے کسی مترجم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ " امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ کنوارے زانی کو ایک سال کے لیے جلا وطن بھی کرنا چاہیے ..... مترجم یہ کہتا ہے کہ غیر شادی شدہ شخص کے لیے جلا وطنی جو نہیں ہے بلکہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے۔ پس اجماع کے نظریے کے پرخچے اڑ جاتے ہیں " جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی!

پہلی بات تو یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث کنواروں کی سزا نہیں بلکہ شادی شدہ کے لیے رجم کی سزا پر اجماع کا عنوان ہے۔ اس کے لیے ہم کسی غیر معروف مترجم نہیں بلکہ خود امام شافعی کا بیان ان کی اپنی کتاب الام سے نقل کرتے ہیں۔

"..... ثم قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر الرجم فی کتاب اللہ عز وجل حق علی من زنی إذا کان قد احصن ولم یذکر جلدا ورجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماعزا ولم یجلدہ وأمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنیسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان يأتى امرأة فان اعترف رجمها وكل ذلك يدل على أن الجلد منسوخ عن الثيب وكل الائمة عند نا رجم بلا جلد"

(الام ج ۴ ص ۱۳۴)

یعنی پھر عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا کہ اللہ کی کتاب میں محصن زانی کا رجم حق ہے اور انہوں نے کوڑوں کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ماعز کو رجم کیا مگر کوڑے نہیں لگائے۔ اور پھر انیس کو حکم دیا کہ وہ عورت مذکورہ سے جا کر پوچھے اور اگر وہ اعتراف کرے تو اسے رجم کر دیا جائے یہ سب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ شادی شدہ زانی کے لیے کوڑوں کی سزا نہیں ہے صرف رجم کی سزا ہے اور ہمارے علم کی حد تک تمام ائمہ یعنی خلفاء نے کوڑوں کے بغیر رجم کیا۔" گویا امام شافعی اس کے قائل نہیں کہ حضرت علیؓ رجم اور کوڑوں کو اکٹھا کیا کرتے تھے۔

ہم حیران ہیں کہ اگر کسی نے یہ کہہ دیا کہ غیر شادی شدہ زانی کو اگر امام اس کی ضرورت سمجھے تو ایک سال کے لیے جلا وطن[1] کر سکتا ہے تو اس سے خاص رجم پر اجماع ہونے میں کیا نقص لازم آ گیا۔ اس طرح تو یہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ کیونکہ مالکی خون نکلنے سے وضو کا ٹوٹنا تسلیم نہیں کرتے یا کچھ لوگ رفع یدین کرتے ہیں کچھ نہیں کرتے پس اسلام کے اندر نماز کے رکن ہونے کے اجماع کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ یا کوئی ننگے سر نماز پڑھنے میں حرج نہیں سمجھتا دوسرا یہ کہتا ہے کہ ادب کی مناسبت سے ٹوپی ہو تو اچھا ہے۔ پس نماز کو فرض سمجھنے پر اجماع باقی نہیں رہا۔ یہ متجددین بالکل بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں جن کا نہ سر نہ پیر۔

اجماع کی تعریف

ان لوگوں کو یہ بھی نہیں پتہ کہ اجماع کس کو کہتے ہیں سنئے شاہ ولی اللہ جن کی قابلیت کے یہ ویز صاحب بہت معترف ہیں اور جن کا حوالہ وہ بطور اپنے مقتدا کے دیتے ہیں یوں لکھتے ہیں۔

"اجماع (کا لفظ) تم نے علمائے دین کی زبان سے سنا ہوگا۔ اس کے معنے یہ نہیں

۱؎ اس پر ہم نے آگے مفصل بحث کی ہے۔ وہاں دیکھ لیجیے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ تمام مجتہدین (اس طرح کہ ان میں سے) ایک بھی علیحدہ نہ رہے سب کے سب ایک زمانہ میں کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں کیونکہ یہ صورت نہ ہوئی ہے۔

"بلکہ اجماع کا معنی یہ ہیں کہ خلیفہ (خاص) اہل الرائے حضرات سے مشورہ کرنے کے بعد یا بغیر مشورہ کیے ہوئے کوئی حکم دے اور وہ نافذ ہو جائے یہاں تک کہ (تمام عالم اسلامی میں) شائع ہو جائے اور تمام اسلامی دنیا میں ممکن ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اجماع کی حجیت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت جو میرے بعد ہوں گے۔"

(ازالۃ الخفاء مؤلفہ شاہ ولی اللہ ج ۱ ص ۱۰۰ مطبوعہ نور محمد)

اس تعریف کے مطابق رجم پر اجماع ثابت ہے بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ اجماع کی بہترین مثال رجم پر اجماع ہے۔ بلکہ رجم تو قرآن سنت اور اجماع تینوں سے مکمل طور پر ثابت ہے۔ جیسا کہ امام شافعی و دیگر لوگوں نے بھی کہا ہے۔

ابوزھرہ اور اجماع

ابوزھرہ لکھتے ہیں: وفی الحق إنه بعد إجماع الصحابة لم يثبت اجماع قط بطريق متواتر یعنی سچ تو یہ ہے کہ صحابہ کے اجماع کے بعد پھر کبھی بھی متواتر طریق پر اجماع ثابت نہیں ہے۔ (دیکھئے اصول الفقہ مؤلفہ ابوزھرہ ص ۲۱۲)

کیونکہ ایک بڑے ماہر قانون صاحب نے ابوزھرہ کو چودھویں صدی کے چوٹی کے قانون دانوں میں شمار کیا ہے اور ان کی بہت تعریف و توصیف کی ہے اس لئے ہم ابوزھرہ کا نظریہ اجماع خاص طور سے پیش کر رہے ہیں۔ ابوزھرہ مزید لکھتے ہیں۔

ان الصحابة كانوا يجتهدون فى المسائل التى تعرض لهم وقد كان عمر رضى الله عنه يجمعهم ويستشيرهم ويبادلهم الرأى فإذا أجمعوا على أمر معين سارت عليه سياسة وان اختلفوا تدارسوا حتى ينتهوا إلى امر تقره جماعة الفقهاء منهم وبذلك يكون الامر مجمعا عليه۔

وعندى ان الحجية كلها كانت فى اجماع الصحابة رضى الله عنهم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبارك وتعالى عنهم ولم يكونوا قد تفرقوا في الأقاليم فكان الاجماع ممكنا أما في عصر التابعين وقد فرقوا في الأقاليم فان الاجماع حينئذ لم يكن ميسوراً ......

یعنی صحابہ کرام ان مسائل میں اجتہاد کرتے تھے جو ان کو پیش آتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا وہ صحابہ کرام کو جمع کرتے ان سے مشورہ کرتے اور تبادلہ خیالات کرتے اور جب وہ کسی فیصلہ پر متفق ہو جاتے تو ایک لازمی اصول بن جاتا اور اگر ان میں اختلاف ہوتا تو وہ بحث کرتے اور جب ان کی فقہاء کی جماعت اس کو تسلیم کر لیتی وہ امر اجماعی بن جاتا۔

...... میرے نزدیک (یعنی ابوزہرہ کی رائے میں) حقیقی حجت تو صحابہ کے اجماع ہی کی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام اس وقت مختلف ممالک میں نہ پھیلے تھے اس لیے ان کا اجتماع اور کسی مسئلہ پر اجماع آسانی سے ممکن تھا مگر تابعین کے دور میں لوگ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے اس دور میں ان کا کسی بات پر مجتمع ہونا آسان نہ رہا.... اسی واسطے ہم دیکھتے ہیں کہ جس کے متعلق اوزاعی کہتے ہیں کہ اجماع ہے تو اس اجماع کا ابویوسف انکار کرتے ہیں ... پس جو شخص اجماع صحیح معنوں میں صحابہ کے بعد ہونے سے انکار کرتا ہے وہ حقیقت سے بعید بات نہیں کرتا اسی واسطے امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے کوئی اجماع کی بات کرتا تو وہ اسکو اجماع کہنے کی بجائے یہ کہتے کہ ہمارے علم کی حد تک کسی نے اسکی مخالفت نہیں کی ہے۔ (دیکھئے اصول فقہ مؤلفہ ابوزہرہ ۱۹۸-۲۰۲)

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ رجم کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو کچھ منبر پر کہا اور صحابہ میں سے کسی نے اعتراض نہ کیا۔ صحابہ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی کو اختلاف ہوتا تو وہ ضرور اعتراض کرتا اور اپنی رائے پیش کرتا۔ ورنہ سب کے مسجد نبوی میں چپ رہنے کا مطلب یہی ہوتا کہ سب متفق ہیں کیونکہ صحابہ حضرت عمرؓ پر احتساب میں بہت جری تھے۔ وہ ان کی معمولی باتوں پر بھی اعتراض کر دیا کرتے تھے کجا ایک بہت بڑا اجماعی حد سے متعلق قانون ہو جس پر پہلے ہی سب کا اجماع ہو تو اس کے بیان پر اگر کوئی اعتراض نہ کرے تو اس کو ایسا اجماع سکوتی نہیں کہا جائے گا جس کی حجیۃ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض لوگوں کو اختلاف ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تقریر میں کہا کہ لاحظ فی الاسلام من ترک الصلاۃ۔ اب سامعین اس پر خاموش رہے تو اس کو اجماع سکوتی نہیں کہا جائے گا بلکہ اجماع صریح کہا جائے گا کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب ہی نماز پنجگانہ کے سختی سے پابند تھے بلکہ نماز باجماعت کے پابند تھے اس لیے سب خاموش رہے۔ وہ آج کل کے درباریوں کی طرح نہ تھے کہ حاکم کی ہر بات پر تائیدی بیانات جاری کریں۔ کسی صحابی نے رجم سے نہ اس وقت نہ بعد میں کبھی اختلاف کیا۔

اب دیکھئے ابو زھرہ نے چندان اجماعی باتوں کا ذکر کیا ہے جو پہلے دو خلفاء راشدین کے دور میں پیش آئیں۔ مثلاً دادی کو میراث میں چھٹا حصہ دینے پر اجماع ہوا محض دو اصحاب کی گواہی پر کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ایسا کیا (کسی نے بھی اس وقت قرآن سے دلیل نہیں مانگی) اسی طرح اس پر صحابہ کا اجماع ہوا کہ نکاح میں عورت کی خالہ یا پھوپھی وغیرہ کو جمع نہیں کیا جا سکتا (حالانکہ قرآن میں اس کی تصریح نہیں ہے) اس اجماع کی سند رسول اللہ کی یہ حدیث قرار پائی کہ آپ نے فرمایا لاتنکح المراۃ علی عمتها ولا علی خالتها ولا علی ابنة اخيها ولا علی ابنة اختها إنكم ان فعلتم ذلك قطعتم أرحامكم ۔ (دیکھئے صفحہ ۲۰۱۔ اصول الفقہ اور موسوعۃ الفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۱۲۰)

پھر دیکھئے امام محمد اپنی موطا میں باب الرجم اور باب الاقرار بالزنا میں رجم سے متعلق امام مالک سے آٹھ مختلف روایات بیان کرتے ہیں جن میں وہ روایت بھی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ الرجم فی کتاب اللہ حق یعنی رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ پھر سب کے آخر میں امام محمد لکھتے ہیں کہ قال محمد : بهذا كله نأخذ الخ یعنی ہم ان تمام کل کی کل روایات کو صحیح سمجھتے ہوئے فقہی ماخذ کے طور پر ان پر عمل کرتے ہیں۔ مگر اس کے بعد باب الحد فی التعریض میں حضرت عمرؓ کے فیصلے سے اختلاف کرتے ہیں کیونکہ صحابہ میں اس پر اختلاف رائے ہو گیا تھا امام محمد لکھتے ہیں کہ جن اصحاب کو تعریض پر کوڑوں کی حد لگانے میں اختلاف تھا ان میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں اور ہم ان کی رائے پر عمل کرنا صحیح سمجھتے ہیں اور یہی قول ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا ہے۔

(موطا امام مالک روایۃ امام محمد ص ۲۴۵ و ۲۴۷ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۷ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب دیکھئے ابو زہرہ نے اپنی اصول الفقہ میں صفحہ ۲۰۱ پر لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں اس بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ اراضی مفتوحہ کو دیگر غنائم کی طرح فاتحین میں تقسیم نہ کیا جائے گا۔ مزید اگلے پیراگراف میں اسی صفحہ پر لکھتے ہیں صحابہ اخبار احاد کی بنا پر جب اجماع کر لیتے تھے تو اس سے مسئلہ ظنی سے قطعی بن جاتا تھا۔

مگر ہم تقسیم اراضی ہی کے سلسلے میں دیکھتے ہیں کہ اس اجماع کو امام شافعی نے کتاب الام میں اور ابن حزم نے المحلی میں اجماع تسلیم نہیں کیا ہے۔ مثلاً ابن حزم مسئلہ ۹۵۸ کے تحت لکھتے ہیں:

...... وتقسم الارض وتخمس كسائر الغنائم ولا فرق فان تابت نفوس جميع أهل العسكر على تركها أوقفها الامام حينئذ للمسلمين الافلا ...... واما الارض فصحابة اختلفوا

(المحلی ج ۷، ص ۳۴۱، ۳۴۲)

یعنی زمین بھی اسی طرح سے تقسیم ہو گی اور اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے جیسے باقی غنائم کا حال ہے۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن اگر تمام فوج راضی ہو جائے اور اپنا حق چھوڑ دے تو اس صورت میں امام اراضی کو عام مسلمانوں کے لیے وقف کر سکتا ہے ورنہ نہیں...... اور جہاں تک زمین کا تعلق ہے اس میں صحابہ کا اختلاف ہوا تھا۔

پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر کسی بات پر صحابہ کا اختلاف کے بعد اجماع ہو جائے تو اس اجماع سے زیادہ صریح اور اعلیٰ اجماع وہ ہے کہ سرے سے صحابہ کا اس میں اختلاف ہی نہ ہوا ہو اور پھر خاص رجم پر اجماع تو ایسا اجماع ہے کہ نہ کبھی کسی ایک صحابی نے قرن اول میں اس پر اختلاف کیا نہ بعد میں کسی امام یا فقیہ نے کبھی خاص رجم کے معاملے میں اختلاف کیا۔ اور اگر کسی فقیہ نے اس بات میں اختلاف کیا کہ ملزم کو رجم شروع کون کرے یا کسی اور تفصیل میں مثلاً بٹھا کر رجم کیا جائے یا کھڑا

ؔ اصل میں ابن حزم اور امام شافعی کا یہ خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے غانمین کو اپنے حق کو ترک کرنے پر راضی کر لیا تھا اور بعض کو معاوضہ دیکر راضی کیا تفصیل المحلی میں دیکھئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے تو اس اختلاف سے خاص رجم کی حد کی حجیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا - یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت پر اجماع نہیں اور دلیل یہ دے کہ کوئی ہاتھ کھلے چھوڑ کر پڑھتا ہے کوئی باندھ کر۔ کوئی رفع یدین کرتا ہے کوئی نہیں - یہ سب کج بحثی اور عوام کو ورغلانے کی باتیں ہیں۔ ورنہ اہل سنت - اہل تشیع حتیٰ کہ معتزلہ نے بھی رجم پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے کو وصیت کہ خوارج سے بحث قرآن کے ذریعے نہ کریں بلکہ سنت سے کریں۔

مشہور ماہر لغت و نحو اور مفسر قرآن زمخشری لکھتے ہیں :

الزبیر رضی اللہ عنہ - قال لابنہ لا تخاصم الخوارج بالقرآن خاصمھم بالسنۃ - قال ابن الزبیر : خاصمتھم بھا فکانھم صبیان یمرتون سُخُبَھم - (الفائق ج ۳ ص ۳۶۰)

یعنی حضرت زبیرؓ بن عوام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ ان خارجیوں سے قرآن کے ذریعے بحث نہ کریں بلکہ سنت کے ذریعے بحث کریں - ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے سنت سے بحث کی تو دیکھا کہ ان سے کچھ جواب نہیں بن پڑتا اور انکی حالت اس دودھ پیتے بچے کی سی ہو گئی جو اپنے گلے میں پڑا ہوا ہار چوسنے لگتا ہے۔

آخیر میں زمخشری لکھتے ہیں :

یعنی انھم قد بھتوا وعجزوا عن الجواب (محولہ بالا)

یعنی وہ حدیث سن کر مبہوت ہو گئے اور کوئی بھی جواب دینے سے عاجز ہو کر رہ گئے۔

پس جن جن لوگوں نے رجم کے سلسلے میں سنت کا نام لیا اور قرآن سے دلیل لانے کی کوشش نہیں کی انہوں نے حضرات زبیرؓ اور عمرؓ اور علیؓ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مختصر جواب دے کر مخالفین کو عاجز کرنے کا طریقہ استعمال کیا - ورنہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن میں رجم کا ذکر نہیں ہے - ہم نے جو تیس کے قریب آیات نقل کی ہیں ان کو صحابہ کرام و تابعین وغیرہم کی تائید حاصل ہے کہ یہ آیات رجم سے متعلق ہیں - ہم نے ان کے حوالے بھی جا بجا دیے ہیں - پس یہ تیس آیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم نے سلف سے ہی نقل کی ہیں۔ ہماری کاوش اس میں صرف اتنی ہے کہ ہم نے سلف کے اقوال مختلف کتب احادیث سے ڈھونڈے ہیں۔ ورنہ سلف ان آیات کو رجم کے سلسلے میں بیان کرتے چلے آرہے ہیں اگر کوئی احادیث اور اقوال سلف سے نابلد ہو تو ہم کیا کریں۔

یہ ٹھیک ہے کہ سلف میں کسی نے ان تیس آیات کو اکٹھا بیان نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانے میں رجم پر اختلاف ہی نہ تھا۔ اس لیے ان کو اس سلسلے میں زیادہ مفصل بات کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہم نے ان اقوال کو مختلف کتب سے لے کر تیس آیات کو اکٹھا بیان کر دیا ہے۔

حضرت علیؓ کا خوارج سے قرآن کی بجائے حدیث سے استدلال اور عمرؓ کی نصیحت

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری جنکی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی اور اغلباً دوسری صدی ہجری کے آخر میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ مشہور محدث ہیں جن کا ذکر ذہبی نے طبقات الحفاظ میں عمدہ طریقے سے کیا ہے۔ ان کی ایک حدیث کی کتاب ہے جس کا نام الشریعۃ ہے۔ ہم اس سے کچھ احادیث نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی سند سے بیان کی ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم پوری سند کی بجائے صرف صحابی کا نام درج کر رہے ہیں (الآجری ابونعیم اصفہانی کے استاد تھے)

(۱) عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کہا کہ تو احمق ہے۔ کیا تو قرآن کریم میں یہ پڑھتا ہے کہ ظہر کی چار رکعات ہیں اور یہ کہ ظہر کی نماز میں قرأت زور سے نہیں کی جاتی۔ اسی طرح سے انہوں نے اس کے سامنے پانچوں اور زکوٰۃ کی تفصیلات کا ذکر کیا۔ پھر پوچھا کہ کیا یہ سب باتیں قرآن میں مفصل ملتی ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی کتاب ان باتوں کا حکم دیتی ہے اور سنۃ ان کی تفسیر کرتی ہے (الشریعۃ ص ۵۱)

(۲) عطا نے قرآن کی اس آیت: فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (۴ - ۵۹)

یعنی اگر تمہارا کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو تو اس چیز کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ اللہ کی طرف پھیرنے کا مطلب قرآن ہے اور رسولؐ کی طرف پھیرنے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب آپ کی سنت ہے۔[1] (الشریعۃ ص ۵۳)

(۳) بکیر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آئندہ دور میں ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن میں شبہات پیدا کر کے تم سے بحث کریں گے پس تم ان کو سنت کے ذریعہ گھیرو۔ کیونکہ اصحاب سنن اللہ کی کتاب کے زیادہ بڑے عالم ہوتے ہیں (اس کو تین مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔ (الشریعۃ ص ۴۸، ۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب عبداللہ بن عباس کو خارجیوں سے مناظرہ کے لیے بھیجا تو ان سے بھی یہی کہا کہ خارجیوں سے بحث قرآن کی بجائے حدیث سے کرنا کیونکہ سنت میں تاویل نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے ابوزہرہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دندان شکن دلائل سے پُر تقریر نقل کی اس میں بھی حدیث سے ہی استدلال کیا گیا۔ ابوزہرہ نے بھی یہی وجہ لکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رجم کے سلسلے میں علماء نے زیادہ توجہ سنت سے استدلال پر دی ہے۔ ورنہ رجم قرآن سے ثابت ہے۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ خوارج مرتکب گناہ کو کافر قرار دیتے تھے۔ ان کے دلائل ابوزہرہ بیان کرتے ہیں۔ ہم صرف ایک حصہ نقل کر کے پھر حضرت علی کا قول بیان کریں گے۔

وهذه الادلة كثيرة، ومنها قوله تعالى: "ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا، ومن كفر فإن الله غني عن العالمين" فجعل تارك الحج كافراً، وترك الحج كبيرة، فكل مرتكب كبيرة كافر في زعمهم، ومنها قوله تعالى: ومن لم يحكم بما انزل الله، فاولئك هم الكافرون، وكل مرتكب للذنوب قد حكم بغير ما انزل الله في زعمهم، فهو كافر۔

---

[1] مستدرک حاکم میں ایک مرفوع حدیث اس آیت کی تفسیر میں یوں ہے: واولوا العلم من بعدی اور میرے بعد علماء کی طرف لوٹا دیا کرو۔ (دیکھیے تفسیر الثعلبی الموسوم بجواہر الحسان فی تفسیر القرآن ج ا ص ۲۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

.... وكل هذه الدلائل كما نرى ظواهر نصوص، قد نظروا اليها نظراً سطحياً ولم يدركوا مراميها ولا اسرارها، ولم يصيبوا اهدافها، وكان علي رضي الله عنه يحتج على من عاصروه منهم بالحجج الدامغة، والادلة القاطعة، ومما قاله رداً عليهم: " فان أبيتم إلا ان تزعموا انى أخطأت وضللت؟ فلم تضلون عامة أمة محمد صلى الله عليه وسلم واله بضلالى؟ وتاخذونهم بخطئ - وتكفرونهم بذنوبي، سيوفكم على عواتقكم تضعونها مواضع البرء والسقم، وتكفرونهم وتخلطون من أذنب بمن لم يذنب، وقد علمتم ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم رجم الزانى المحصن ثم صلى عليه، ثم ورثه اهله، وقتل القاتل، وورث ميراثه أهله، وقطع يد السارق وجلد الزانى غير المحصن، ثم قسم عليهما من الفى ونكح المسلمات، فأخذهم رسول الله صلى الله عليه وسلم واله بذنوبهم، وأقام حق الله فيهم، ولم يمنعهم سهمهم من الاسلام ولم يخرج اسماءهم من بين اهله، وفى ذلك الكلام القيم رد مفحم لا يمارون فيه: ولا يستطيعون ان يثيروا حوله غباراً - ولعله رضي الله عنه عدل عن الاحتجاج بالكتاب الى الاحتجاج بالعمل الذى كان عليه النبى صلى الله عليه وسلم، لأن الفعل لا يقبل تاويلا، ولا يفهم إلا على الوجه الصحيح، فلا يتسع لنظراتهم السطحية وتفكيرهم الذى لا يصيب الا احياناً واحداً، ولا يتجه الا الى اتجاه جزئى، وفى الاتجاه الجزئى فى فهم العبارات والاساليب ضلال عن مقصدها: وبعد عن مرماها وفى النظرة الكلية الشاملة الصواب، وادراك

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحق من كل نواحيه ، فهو رضى الله عنه جادلهم بالعمل، حتى يقطع عليهم كل تاويل ، ولكى يبين لهم وضع الحقيقة من غير أن يجعل لتلبيسا تهم الفاسدة أى باب من ابواب الحيرة والاضطراب ۔ (ابوحنیفہ مؤلفہ ابوزھرہ ص ۱۴۲ - ۱۴۵)

ترجمہ : یہ دلائل کثیر ہیں اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ انسانوں پر حج فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو اور جو کفر کرے پس اللہ تعالیٰ تمام دنیا سے بے پرواہ ہے ۔ پس انہوں نے اس آیت کے ظاہری معنی لیتے ہوئے تارک حج کو کافر قرار دے دیا اور حج کا ترک کیونکہ کبیرہ گناہ ہے پس ان کے خیال میں ہر کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے ۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ جو وحی کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے ۔ ظاہر ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے وہ وحی کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا ....

غرض یہ کل دلائل جیسا کہ ظاہر ہے نصوص کے ظاہری معنی سے لیے گئے ہیں ۔ یہ نہ نص کے مقصد تک پہنچے نہ اس کے اسرار کو انہوں نے سمجھا ۔ اور اس کے ہدف تک ان کی رسائی نہ ہو سکی ۔ حضرت علی ان خارجیوں سے جو ان کے زمانہ میں تھے دندان شکن دلائل سے بحث کیا کرتے تھے ۔ اور قطعی دلائل ان کے سامنے رکھا کرتے تھے ۔ جو ان کے رد میں کہتے اس کی ایک مثال یوں ہے ۔

اگر تم انکار کرتے ہو اور یہ گمان کرتے ہو کہ میں نے غلطی کی اور گمراہی اختیار کی تو تم میری غلطی کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عام امت اور ان کی آل کو کیوں گمراہ کہتے ہو ۔ ان کی گرفت میری خطا کی وجہ سے کیوں کرتے ہو ان کو میرے گناہ کی وجہ سے کیوں کافر کہتے ہو ۔ اپنے کاندھوں پر تلواریں لیے رکھتے ہو اور ہر مناسب اور غیر مناسب جگہ اس کو استعمال کرتے ہو ۔ اور گناہ کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتے ہو ۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین نے زانی محصن کو رجم کیا اور پھر اس پر نماز پڑھی[1] پھر ان کے اہل کو ان کی وراثت

---

[1] اس پر کسی خارجی نے یہ نہیں کہا کہ رجم سورہ نور سے پہلے ہوا اور نہ یہ سوال پوچھا کہ رجم کب کیا گیا ؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے حصّہ دیا۔ پھر قاتل کو قتل کیا اور اس کے رشتہ داروں کو اس کی وراثت کا حصّہ دیا۔ اور چور کے ہاتھ کاٹے اور غیر محصن زانی کو کوڑے مارے پھر فئی میں ان کو حصّہ دیا۔ انکا نکاح مسلمان عورتوں سے کیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے گناہوں کی بنا پکڑا اور حق کو ان پر نافذ کیا لیکن اسلام کے دائرہ سے ان کو خارج نہیں کیا اور ان کے خاندان سے ان کے ناموں کو حذف نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بیان میں ایسے قطعی و دندان شکن دلائل ہیں جو کج بحثی کرنے والوں کا منہ بند کرنے اور ان کو لاجواب کرنے کے لیے اتنے کافی ہیں کہ پھر ان کو کچھ کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن سے احتجاج کرنے کی بجائے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے عمل سے اس لیے دلیل پکڑی کیونکہ عمل بیان کرنے کے بعد کسی تاویل اور چنیں اور چناں کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور ضروری ہو جاتا ہے کہ سوائے صحیح بات کے دوسری بات خیال میں نہ آئے۔ پھر ان سطحی نظریوں اور ایسی فکر کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ سوائے ایک رخ کے دوسرا رخ ان کے سامنے ہوتا ہی نہیں۔ پھر محض ایک جزر کی طرف توجہ نہیں رہتی اور اگر صرف ایک جزر پر نظر رہے تو انسان فہم عبادت اور اسلوب میں مقصد سے گمراہ ہو جاتا ہے مگر جب مسئلہ کے ہر پہلو پر ہر طرف سے غور کر لیا جائے تو ہر جانب سے حق واضح اور نکھر کر سامنے آجاتا ہے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو بیان کر کے حجت پکڑی تاکہ ان کی ہر تاویل کا راستہ بند کر دیا جائے۔ اور تاکہ حقیقت واضح کر کے ان کو بیان کر دی جائے کہ پھر ان کی فاسد تلبیسات اور حیرت و اضطراب کا کوئی رخنہ باقی نہ رہے۔ (دیکھئے ابو حنیفہ مؤلفہ ابو زہرہ ص ۱۴۴ - ۱۴۵)

اب دیکھئے کہ ان متجددین کے تسلیم کردہ چودھویں صدی کے چوٹی کے قانون دان یعنی ابو زہرہ ہم کو یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ حضرت علیؓ اور بعض دیگر مشاہیر نے جب بھی قرآن کے بجائے محض عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی سنت سے استدلال کیا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ قرآن سے وہ مسئلہ ثابت نہیں بلکہ اس کی وجہ تاویل کے راستوں کو بند کر کے بات کو مختصر کرنا تھا اور مدمقابل کا منہ بند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا تھا ۔ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھی یہی رائے دی تھی جبکہ ان کو خوارج سے بحث کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ قرآن کی بجائے سنت سے استدلال کریں کیونکہ قرآنی آیات میں تاویل کی جا سکتی ہے سنت میں نہیں ۔

لیکن ناظرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بیان پر غور کریں گے تو صاف واضح ہو جائے گا کہ آپ کے مخاطب جو خوارج تھے وہ رجم کے منکر نہ تھے بلکہ رجم محصن کو تسلیم کرتے تھے جبھی تو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے ان کو اس بات کا قائل کرنے کے لیے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا جہاں قاتل کے قتل اور سارق کے ہاتھ کاٹنے کا ذکر کیا وہیں محصن کے رجم کا بھی ذکر کیا بلکہ یہ کہکر ذکر کیا کہ "تم کو علم ہے" (قد علمتم) جس سے ثابت ہوگیا کہ کم از کم اس وقت تک کے خوارج رجم کے قائل تھے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان متجددین کو یہ پتہ ہی نہیں کہ خوارج کون تھے ورنہ وہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ان کی سند نہ پیش کرتے ۔ ان خوارج کے بعض فرقے تو یقیناً دائرہ اسلام سے خارج تھے مثلاً فرقہ یزیدیہ تو اس کے قائل تھے کہ آئندہ ایک عجمی رسول[1] آئے گا اور اس پر کتاب نازل ہوگی جو شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دے گی ۔ ایک دوسرا فرقہ میمونیہ تھا ۔ اس فرقے نے اولاد کی بیٹیوں اور بھائی کی اولاد کی بیٹیوں اور بہنوں کی بیٹیوں سے نکاح جائز قرار دیا تھا ۔ ظاہر ہے کہ یہ فارسی فکر تھا کیونکہ ایران کے مجوس جو فارسی نبی کے پیرو تھے وہی مذکورہ بالا نکاحوں کو جائز قرار دیتے تھے ۔ (دیکھیئے ابو حنیفہ مؤلفہ ابو زہرہ ص ۱۴۱، ۱۴۲) ابو زہرہ اپنی دوسری کتاب میں اس فرقہ میمونیہ کے متعلق مزید یہ بات بھی لکھتے ہیں کہ اس فرقہ نے سورہ یوسف کے قرآن ہونے کا یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ ایسی صورت قرآن کی کس طرح ہو سکتی ہے جس میں داستان محبت بیان کی گئی ہو لہٰذا اسکو قرآن نہیں تسلیم کیا جا سکتا ۔ خدا ایسے بد اعتقادوں کو غارت کرے ۔

(المذاہب الاسلامیہ مؤلفہ ابو زہرہ ترجمہ غلام احمد حریری ص ۱۰۹) ابو زہرہ خوارج کو سیاسی فرقہ سمجھتے تھے اور یہ لوگ قریش سے خلافت کی وجہ سے حسد کرتے تھے اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ قبائل

---

[1] اسی بات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ نظریاتی طور سے خوارج تحریک عجمی تحریک تھی اور عجمی سیاست پر مبنی ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ربیعہ سے تھے۔ جن کی قدیم زمانے سے قبائل مضر سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ (ابوحنیفہ ص ۱۶۵)

ابوزہرہ نے اپنی کتابوں میں جابجا خارجیوں کی گمراہی جہالت اور حماقت کو بیان کیا ہے۔ ازارقہ کے رجم سے انکار کو بھی بیان کیا ہے اور وہ تمام احادیث بھی بیان کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ بلکہ ان سے لڑائی کی نہ صرف پیشین گوئی کی تھی بلکہ ان کے بعض لیڈروں کی شناخت بھی بیان کی تھیں۔ ہمارے لیے یہ سب تفصیلات بیان کرنا ممکن نہیں۔ ناظرین ابوزہرہ کی کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

ابوزہرہ پر بہتان

ابوزہرہ صاف طور پر اپنی کتب میں رجم کو بطور حد بیان کرتے ہیں مثلاً وہ ایک مقام پر یہ بحث کرتے ہیں کہ توبہ سے حد ساقط ہوتی ہے یا نہیں۔ اس بحث میں یوں لکھتے ہیں۔

.... اذا رجع عما أقر به لم يرجم فان تاب فمن توبته ان يطهر بالرجم ..... ونرى من هذا أن كلمة الفقهاء متفقة على ان السارق اذا تاب قبل القدرة سقط عنه الحد .... ولكن الاختلاف فى الزانى والشرب، فالحنفية قرروا أن التوبة لا تسقط الحد قبل او بعد القدرة، لان النبى صلى الله عليه وسلم اقام الحد وقد ذهب الزانى يطلب التطهر باقامة الحد عليه وهذه بلا ريب توبة نصوح ليس فوقها وكما قال النبى صلى الله عليه وسلم ((لو وزعت على سبعين من اهل المدينة لوسعتهم)) .....

یعنی جب وہ شخص اقرار کے بعد اپنے اقرار سے رجوع کرے تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اس کو رجم کے ذریعہ پاک کیا جائے .... ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ چور اگر پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرے تو اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی ... لیکن زنا اور شراب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے متعلق اختلاف ہے پس حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ توبہ حد کو ساقط نہیں کرتی چاہے وہ پکڑے جانے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حد قائم کی جبکہ زانی آپ کے پاس اسلیے آیا کہ اسے حد لگا کر پاک کر دیا جائے اور یہ بلاشک توبہ نصوح ہے کہ جس سے اعلیٰ درجہ کی اور کوئی توبہ نہیں ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ توبہ مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر دی جائے تو ان کو کفایت کرے گی۔

(فلسفۃ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی مولفہ ابوزھرہ ص ۷۰، ۷۱)

ابوزھرہ کے نزدیک زانی محصن کا قتل مباح ہے

پھر اسی کتاب میں ایک اور جگہ پر اس عنوان کے تحت کہ قتل غیر القاتل بحق یعنی اگر ایسا شخص جو قاتل نہ ہو اور اس کو حق کی بنا پر قتل کر دیا جائے تو کیا ہے۔ اس پر مفصل گفتگو کرتے ہیں ایک عنوان یہ ہے۔

منها أن يكون القتل لزان محصن من غير إذن ولى الامر... یعنی اس میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ زانی محصن کو کوئی شخص حاکم اعلیٰ کی اجازت کے بغیر قتل کر دے تو کیا ہوگا۔ اس سلسلے میں وہ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے خیالات نقل کرنے کے بعد اپنا محاکمہ یوں بیان کرتے ہیں اور زانی محصن کو مباح الدم قرار دیتے ہیں:

وفى الحق اننا نرى ضرورة التعزير وأن يكون شديداً وإن لم لوجب الدية ولا كفارة، لان الزانى المحصن مباح الدم بالنسبة للامام وإن ذلك نورث شبهه بالنسبة بغير الامام والقصاص يدرأ بالشبهات كالحدود فاذا كانت استباحة دمه تصلح مسوغا لقتله بالنسبة الامام محفى تصلح شبهة تمنع القود بالنسبة لغيره۔

ترجمہ: اور سچ تو یہ ہے کہ ہم (یعنی ابوزھرہ) سمجھتے ہیں کہ ایسے معاملہ میں تعزیر ضروری ہے اور وہ بھی سخت ہو۔ اگرچہ ہم دیۃ یا کفارہ واجب نہیں سمجھتے کیونکہ امام کے لیے تو محصن زانی کا خون مباح ہے۔ لیکن امام کے علاوہ دوسرے شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے بھی اسی طرح اس کا خون مباح ہے۔ لیکن امام کے علاوہ دوسرے سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ پس جب امام کے لیے زانی محصن کا خون مباح ہے امام کا اسے قتل کرنا بالکل درست ہے تو اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ امام کے علاوہ دوسرے شخص سے قصاص ساقط ہو جائے۔ (اور دیت بیان ہو چکا) (محولہ بالا صفحہ ۲۸۸ - ۲۹۰)

نوٹ فرمائیے کہ زانی محصن ابوزہرہ نزدیک مباح الدم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی سوانح میں ابوزہرہ صاف صاف رجم کے حق میں لکھتے ہیں اور وہ اس کے ثبوت کے لیے حدیث متواتر بھی ضروری نہیں سمجھتے بلکہ حدیث مشہور کو کافی سمجھتے ہیں۔ ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

ومن الزيادة التى ثبتت باحاديث مشهورة حد الرجم۔

(ابوحنیفہ مولفہ ابوزہرہ ص ۳۰۸)

اگرچہ مذکورہ بالا کتب میں اور آگے بیان کردہ کتب میں ابوزہرہ نے صاف طور پر رجم کی سزا کو بطور حد ذکر کیا ہے۔ مگر ایک متجدد صاحب ابوزہرہ کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔

As stated above Sheikh Abu Zahra one of the greatest jurists of the 14th century did not subscribe to stoning being at all a sentence. He expressed this opinion clearly in Nadwat-ul-Tashree-ul-Islami held on the 6th May, 1972, though his books which were published earlier do not any marked preference for this view. His view was based on the following:

یعنی شیخ ابوزہرہ جو چودھویں صدی کے چوٹی کے قانون دانوں میں سے ہیں رجم کو شرعی سزا تسلیم نہیں کرتے۔ یہ بات انہوں نے ندوۃ التشریع الاسلامی کی مجلس میں صاف صاف کہی جو ۶ مئی ۱۹۷۲ء کو ہوئی تھی۔ ان کی کتابوں جو پہلے چھپ چکی تھیں انہوں نے اس کے متعلق نمایاں طور پہ ترجیح ظاہر نہیں کی ان کا نظریہ مندرجہ ذیل دلائل پر مبنی تھا ہمارے پاس ابوزہرہ کی قریباً سب کی سب کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کے متعلق یہ کہنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل غلط ہے کہ ان کتب میں انہوں نے نمایاں طور پر رجم کے حد ہونے کے خلاف ترجیح نہیں ظاہر کی۔ بلکہ جیسا کہ سابقہ اور آئندہ حوالوں سے ثابت ہوگا۔ ابوزہرہ نے جہاں بھی رجم کا ذکر کیا ہے اس کو ثابت شدہ اور اجماعی طور سے متفق علیہ حد کے طور پر اس کا ذکر کیا[1] یہی نہیں بلکہ خارجیوں کو جن کا بعض ایک فرقہ شروع میں حد کا قائل نہ تھا سخت جاہل احمق اور گمراہ کہا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو دلائل ان کے خلاف دیئے ان کو دندان شکن دلائل قرار دیا ہے۔ اس کی بعض تفصیلات آپ کو ہمارے اس مضمون میں ملیں گی۔ پھر ابوزہرہ اس دور میں حجیت حدیث کے سب سے بڑے داعی ہیں اور نہ صرف احادیث متواترہ بلکہ احادیث مشہورہ حتیٰ کہ اخبار احاد سے بھی قرآن کے احکام کی تخصیص کے قائل ہیں۔ اس کے حوالے بھی ہم مناسب مقامات پر مہیا کر رہے ہیں۔ پس جہاں تک محقق صاحب کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے فلاں تاریخ کو کسی میٹنگ میں اپنے تمام ان سابق معتقدات پر جن کی وہ تمام عمر تبلیغ کرتے رہے ہیں یہ کہ رجم کوئی حد نہیں ہرگز عقل میں نہیں آسکتی اگر انہوں نے ایسا کیا ہوتا تو اس انقلاب کے متعلق دنیا کے اخبارات میں بھی اعلان ہوتا اور خود ابوزہرہ بھی کوئی نہ کوئی کتابچہ فوری طور پر لکھ کر شائع کرتے اور اپنی توبہ کا اعلان کرتے تاکہ دنیا کے مسلمان ان کی مقبول عام کتب سے مزید گمراہ نہ ہوں کیونکہ وہ اپنی کتاب میں زانی محصن کو مباح الدم قرار دے چکے ہیں۔ یہی بات ان جیسے چوٹی کے عالم سے متوقع تھی[2] مگر نہ انہوں نے ایسا اعلان اخبارات میں کیا نہ کوئی کتابچہ اس کے متعلق شائع فرمایا تو ظاہر ہے یہ بیان متجدد صاحب کا گھڑا ہوا ہے۔ اب جبکہ ابوزہرہ کا انتقال ہو چکا ہے تو متجدد صاحب کو اس کی جرأت ہوئی کہ وہ تردید کے لیے اس دنیا میں نہیں ہیں۔ مگر انکی کثیر تعداد میں کتب اب بھی ان متجدد صاحب کے جھوٹ کی قلعی کھول رہی ہیں جن میں وہ حجیت حدیث کے سب سے بڑے داعی کے طور پر ہم کو رجم کو باقاعدہ متفق علیہ حد تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مزید متجدد صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ ابوزہرہ کا نظریہ مندرجہ ذیل دلائل پر مبنی ہے۔ تو یہ دلائل انہوں نے اپنی کسی کتاب میں نہیں بیان کئے اور نہ ایسے لوڈے دلائل ان جیسا حجیت

---

[1] یہی نہیں بلکہ زانی محصن کا قتل مباح قرار دیا۔ جس کا حوالہ ابھی گذر چکا ہے۔

[2] جیسا کہ پاکستان میں ایک منکرِ حدیث غلام جیلانی برق تھے۔ توبہ کے بعد انہوں نے حدیث کے حق میں کتاب لکھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث کا قائل شخص کبھی دے سکتا تھا۔ انہوں نے تو امام ابوحنیفہؒ کا بھی اس سلسلے میں بہت عمدہ دفاع کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اخبار آحاد سے حجت پکڑتے تھے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اخبار آحاد سے دلیل لانے والے اولین فقہاء میں سے تھے۔ ہم اس موضوع پر حوالوں کے ساتھ بعد میں گفتگو کریں گے۔ مزید معلوم ہو کہ ابوزھرہ متجددین کے ہیروز خوارج کے اس شدت سے مخالف ہیں کہ انہوں نے خوارج پر یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ وہ احادیث بھی گھڑا کرتے تھے۔ ابوزھرہ ان خارجی ہیروز کے متعلق لکھتے ہیں۔

"مذہب و مسلک کی اندھا دھند تائید کا جذبہ بعض اوقات خوارج کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دروغ گوئی کرنے پر بھی مجبور کر دیتا تھا۔ ایک خارجی جس نے اس عقیدہ سے توبہ کر لی تھی علماء سے کہا کرتا تھا کہ احادیث کی اچھی طرح چھان بین کر لیں کیونکہ خوارج کو جب کوئی دلیل نہ ملتی تو وہ خود ساختہ کلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔

ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ خوارج ظواہر قرآن سے تمسک کرتے تھے اور اس کے معنی و مفہوم کی گہرائی میں اترنے کی کوشش نہ کرتے۔ نصوص پر سطحی قسم کی نگاہ ڈالنے سے جو سرسری مفہوم ذہن میں بیٹھ جاتا بس اسی کے ہو رہتے اور اس سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر سرکنا گوارہ نہ کرتے جب خوارج میں سے کوئی کسی تہمت کا شکار ہوتا تو ازالہ تہمت کے لیے ظواہر آیات سے کام چلاتا اور ان کے معنی و مطلب سے انہیں کو واسطہ نہ ہوتا (اس کے بعد انہوں نے ان کی حماقت کی مثال بھی دی ہے جس کو طوالت کے خوف سے حذف کرتے ہیں ناظرین اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ خوارج کا یہ طرز عمل اس امر کا آئینہ دار ہے کہ کسی دلیل پر غور کئے بغیر وہ آن کی آن میں ایک نقیض سے چھلانگ لگا کر دوسری نقیض تک پہنچ جایا کرتے تھے (دیکھئے المذاہب الاسلامیہ مترجم غلام احمد حریری ص ۱۰۰، ۱۰۱)

منکرین حجیت حدیث کے دوسرے ہیرو معتزلہ ہیں ان کے متعلق ابوزھرہ یوں لکھتے ہیں:

"امام احمد صرف یہی نہیں کہتے بلکہ معتزلہ کے اس عقیدہ پر کہ گناہ کبیرہ مرتکب کافر ہوتا ہے ان کو سخت سُست بھی کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں: (معتزلہ اگر گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت آدم بھی کافر تھے اور حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے والد سے غلط بیانی کی تو کفر کا ارتکاب کیا۔ معتزلہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ جس نے ایک حبہ کی بھی چوری کی تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ گئی اور اگر اس نے حج کیا تو رائیگاں گیا"۔ (حیات امام احمد حنبل تالیف ابوزہرہ ترجمہ رئیس احمد ص ۲۱۹)

پس ہم ابوزہرہ سے متعلق متجدد صاحب کا بیان تسلیم نہیں کر سکتے جو انہوں نے بغیر کسی حوالہ کے درج کر دیا ہے وہ بھی ابوزہرہ کی وفات کے بعد اب ہم ان دلائل کی طرف آتے ہیں جو ابوزہرہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں مگر ان کے نہیں ہو سکتے اب ہم ان دلائل کو جو در اصل متجدد صاحب کے اپنے ہیں نمبر وار بیان کر کے ان کا جواب دیتے ہیں۔

(۱) صاحب موصوف کی پہلی دلیل یہ ہے کہ

Inspite of there being provision for the expulsion of unmarried person

ترجمہ: اگرچہ اس بات کی گنجائش ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کو جلا وطن کیا جا سکتا ہے مگر امام مالک نے عورتوں کے جلا وطنی کے حق میں فیصلہ نہیں دیا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اول تو یہ محض گنجائش ہے اور امام کی صوابدید پر منحصر ہے۔ موطا مالک کی شرح مسوی میں شاہ ولی اللہ نے اس پر اچھی بحث کی ہے جس کو ہم دوسری جگہ پر نقل کر رہے ہیں مگر غیر محصن کی سزا کا رجم سے کیا تعلق اس بات سے رجم کے حد ہونے پر کیا اثر پڑا۔ مسئلہ زیر بحث رجم ہے نہ کہ غیر شادی شدہ زانی کی سزا کا۔

بہر حال کیونکہ متجدد محترم اس مسئلہ میں پریشان معلوم ہوتے ہیں اس لیے ہم اس پر مختصر گفتگو کر لیتے ہیں:

قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں جب غیر شادی شدہ زانی پر حد قائم کی جائے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے کہ میں ملزم کو جلا وطن نہیں کروں گا کیونکہ ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہنچا ہے کہ جلا وطنی میں فتنہ ہے۔ اور ہم یعنی ابو یوسف وغیرہم بھی اسی کے پابند ہیں۔ مگر ابن ابی لیلیٰ یہ کہا کرتے تھے کہ جس شہر میں اس نے زنا کیا ہے اس سے دوسرے شہر اس کو ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا جائے گا۔ اور جلا وطنی کی بات رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلی اللہ علیہ وسلم ۔ حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے اب مذکورہ بالا روایت میں نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ خود حضرت امام ابوحنیفہ یہ دلیل نہیں دیتے کہ جلا وطنی قرآنی حد سے فاضل سزا ہے بلکہ وہ دلیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں اس کی وجہ یہی کہ امام ابوحنیفہ قرآن و حدیث کے بعد خلفائے راشدین کے قول اور ان کے فتوی پر عمل کرتے تھے اور صحابہ کے فتاوی سے باہر نہ جاتے تھے لے (دیکھئے اختلاف ابی حنیفہ وابن لیلی مؤلفہ ابو یوسف ص ۲۱۸ ، ۲۱۹)

اصل بات یہ ہے کہ جلا وطن مختلف وجوہات سے کیا جاتا رہا ہے اور یہ بطور حکومتی تدبیر کے کیا جاتا تھا ۔ بخاری شریف میں باقاعدہ ایک باب ہے جو کتاب المحاربین من اہل الکفر و الردۃ میں دیکھا جا سکتا ہے ۔ اس کا عنوان ہے باب النفی اہل المعاصی والمخنثین ۔ اس میں ہے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے مخنثین پر اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانہ کپڑے پہن کر مردوں کے اطوار اختیار کرتی ہیں اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کو گھروں سے نکال دو الخ ۔ کی شرح میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس باب سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بھی جلا وطن کیا جا سکتا ہے جن سے گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا ۔ پس جن سے گناہ کبیرہ سرزد ہوا ان کو اگر ضرورت سمجھی جائے تو بطریق اولی جلا وطن کیا جا سکتا ہے ۔ پھر لکھتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس لایا گیا جو ہاتھوں اور پیروں کو رنگتا تھا اور عورتوں کی شکل بننے کی کوشش کرتا تھا آپ نے اس کو نقیع کی طرف جلا وطن کر دیا ۔

اس سے پچھلی حدیث کی شرح میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی کوڑوں کے ساتھ جلا وطنی کی سزا دیتے رہے ہیں ۔ اور امام مالکؒ سے جو عبدالرزاق نے روایت بیان کی ہے اس میں تو یہ بھی ہے کہ مروان نے بھی جلا وطنی کی سزا دی مگر اس کے بعد لوگوں نے یعنی اہل مدینہ نے یہ سزا دینی بند کر دی ۔ مزید ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی کہ کچھ اشخاص نے یہ کہا کہ ابو ذؤیب اہل مدینہ میں سب سے زیادہ حسین ہے ۔ آپ نے اس کو بلایا اور مدینہ سے نکال لے جانے کا حکم دے دیا اس پر وہ بولا کہ اچھا مجھے بھی وہیں بھیج دیں جہاں آپ نے نصر بن حجاج کو بھیجا ہے دوسرے خوبصورت شخص نصر بن حجاج کا قصہ مشہور ہے کہ وہ بقیع کی طرف نکل جاتا اور

لے اس کے برعکس پرویز صاحب امام ابوحنیفہ پر منکر حدیث کا لیبل چسپاں کرتے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورتوں سے گپ شپ کرتا۔ کسی مجاہد نے اس کی شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی تو آپ نے اس کو مدینہ سے بصرہ جلاوطن کر دیا۔ (فتح الباری ج ۱۵ ص ۱۷۴ - ۱۷۳)

نصر بن حجاج کے متعلق دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رات کی گشت میں عورت کو یہ شعر پڑھتے سُنا

هل من سبيل الى خمر فاشربها
او هل سبيل إلى نصر بن حجاج

اگلے روز آپ نے اسے بلایا تو دیکھا کہ وہ واقعی بہت حسین تھا۔ آپ نے اس کا سر منڈوا دیا اور وہ اور بھی حسین دکھائی دینے لگا۔ اس پر آپ نے کہا کہ عمر اور تو ایک شہر میں نہیں رہ سکتے۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے جلاوطن کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے پوچھا کہ یا امیر المومنین میرا گناہ کیا ہے۔ آپ نے کہا کہ گنہگار تو میں ہوں گا اگر میں دار الہجرت کو تم سے پاک نہ کروں۔

(دیکھئے طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۸۵)

تاج الدین سبکی نے بھی نصر بن حجاج کا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نصر کو عمامہ باندھا تو فرمایا کہ یہ شخص اپنی آنکھوں سے عورتوں کو فتنہ میں ڈالے گا۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ قسم خدا کی تو اس شہر میں نہیں رہے گا جہاں میں موجود ہوں۔ پھر اسے بصرہ بھیج دیا۔ پھر وہ عورت جس نے اشعار کہے تھے ڈری کہ اس کے متعلق بھی کوئی فیصلہ صادر نہ کیا جائے۔ پس اس نے پانچ اشعار لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجے جن کا پہلا شعر یوں ہے۔

قل للامام الذى تخشى بوادره
مالى وللخمر أو نصر بن حجاج
إنّى منيب أبا حفص بغيرهما
شرب الحليب وطرفٍ فاترٍ ساج
إن الهوى زمه التقوى محبّسه
حتى أقر بالجام واسراج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ما منيةٌ لم ارب فيها بضائرةٍ
والناسُ من صادق فيها ومن داج
لا تجعل الظن حقا او تيقنهُ
إن السبيل سبيل الخائف الراجي

یہ اشعار پڑھ کر حضرت عمرؓ رو ئے اور کہا کہ الحمد للہ الذی حبس التقوی الھوی یعنی سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے تقویٰ کے ذریعے خواہش نفس کو قید کر دیا۔

کہتے ہیں کہ جب نصر کی ماں کا بہت غم بڑھ گیا تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہا تمہارے بیٹے عبداللہ و عاصم تمہارے پاس ہیں میرا بیٹا مجھ سے دور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بیٹے چادروں میں چھپی عورتوں پر آواز نہیں لگاتے۔

اس کے بعد نصر کا خط اور کچھ اشعار بھی حضرت عمرؓ کو ملے جس میں اس نے لکھا تھا کہ میرا قصور کیا ہے محض ایک ظن ہے۔ اور بعض ظن کی تصدیق کرنا گناہ ہے (غالباً اشارہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف تھا۔ ان بعض الظن اثم اس خط کو پڑھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ مدینہ تو واپس نہیں آسکتا۔ البتہ بصرہ میں اسے گذارہ کے لیے رقم اور رہنے کو مکان دیا جا سکتا ہے۔

ابوبکر خرائطی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ پر رحم فرمائے وہ اللہ کے نور سے دیکھتے تھے اور ان کی فراست بھی ایسی ہی تھی۔ اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے جیسا کہ ان کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

بصير باعقاب الامور برايه
كانّ له فى اليوم عينًا على غدِ

یعنی وہ معاملات میں ہونے والی بات کو اپنی رائے سے معلوم کر لیتے تھے گویا کہ آج ان کی نظر کل پر ہوتی تھی۔

مختصراً اس کا قصہ یوں ہے کہ جب نصر بن حجاج کو بصرہ جلا وطن کیا تو وہاں مجاشع حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نائب کے طور پر بصرہ میں امارت کا کام کر رہا تھا۔ اس کی بیوی بہت حسین تھی۔ نصر کا آنا جانا ان کے گھر ہو گیا۔ تو نصر نے ان کی بیوی سے بھی اشارہ کنایہ شروع کر دیا۔ مجاشع کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو ساری بات بتا دی کیونکہ وہ لوگ اپنے امیر سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے۔ اس پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تم کو حضرت عمر رضؓ نے یونہی جلا وطن نہیں کر دیا تھا۔ اب تم یہاں سے بھی نکل جاؤ۔ یوں وہ بصرہ سے بھی نکلا اور فارس جا پہنچا جہاں کے امیر عثمان بن ابی العاص تھے۔ اس جگہ ایک دہقان نصر سے بہت متاثر ہوا اور اسے اپنے پاس بلا کر رکھ لیا۔ جب یہ خبر عثمان بن العاص کو پہنچی تو انہوں نے نصر کو بلایا اور کہا کہ امیر المومنین اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے تم کو خیریت سے نہیں نکالا تھا۔ پس اب تم یہاں سے بھی جلا وطن ہو جاؤ۔ یہ سن کر نصر بن حجاج بولا کہ اگر تم لوگوں نے یہاں سے بھی مجھے نکال دیا تو اللہ کی قسم میں مشرکین سے جا ملوں گا۔

پس یہ بات عثمان نے ابو موسیٰ کو لکھی اور انہوں نے حضرت عمر رضؓ کو اس کی خبر کر دی۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱:۲۸۱ تا ۲۸۴ تحقیق محمود الطناحی و عبد الفتاح محمد الحلو

مطبوعہ عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاء ۱۹۶۴ء)

امام ابو حنیفہ کس وجہ سے جلا وطنی کے حق میں نہیں اس کی وجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے علاوہ دوسری بھی ہے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں اور عبد الرزاق نے مصنف میں عن الامام عن حماد عن ابراہیم عن علی رضی اللہ عنہ اور مزید عبد الرزاق نے معمر عن الزہری عن ابن المسیب روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعۃ بن امیۃ بن خلف کو شراب خوری کی وجہ سے خیبر جلا وطن کر دیا۔ وہ قیصر کے پاس چلا گیا اور عیسائی بن گیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آئندہ میں کسی مسلمان کو جلا وطن نہیں کروں گا۔ اس بات کو قاری نے شرح مختصر الوقایہ میں بھی ذکر کیا ہے۔

(دیکھیے حاشیہ اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ ص ۲۱۸)

پھر عورتوں کی جلا وطنی میں تو مردوں کی جلا وطنی سے زیادہ خطرہ ہے کیونکہ عورت اپنے شہر میں اپنے گھر والوں کے درمیان زیادہ محفوظ رہ سکتی اور اگر اس کے ساتھ اس کے کسی محرم کو بھی جلا وطن کیا جائے تو محرم کو ناکردہ گناہ کی سزا ملے گی۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے پہلے بقول امام مالک اہل مدینہ اور پھر بعد میں دوسرے لوگوں نے بھی جلا وطنی کو ترک کر دیا۔ غرضکہ جلا وطنی حد کا حصہ نہ تھی کیونکہ مصلحت سیاست اور تدبیر کے طور پر ملزم کی نقل مکانی کبھی کبھی کر دی جاتی تھی کیونکہ بعض دفعہ ماحول اور ساتھیوں کے بدل جانے سے بھی انسان راہ راست پر آجاتا ہے۔ پس اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں اور رجم کی حد سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

© rasailojaraid.com